روزنامہ (ٹیلی فون نمبر 047-6213029) FD-10

الفضل

قائمقام ایڈیٹر : فخر الحق شمس

web: http://www.alfazl.org
email: editor@alfazl.org

بدھ 14/ اکتوبر 2009ء 24 شوال 1430 ہجری 14 اخاء 1388 ہش جلد 59-94 نمبر 232

موت کو یاد رکھو

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

لذتوں کو مٹانے والی چیز یعنی موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔

﴿جامع ترمذی ابواب الزھد باب فی ذکر الموت حدیث نمبر 2229﴾

ارشادات عالیہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

میں دیکھتا ہوں کہ باوجود مصائب پر مصائب آنے کے اور ہر طرف خطرہ ہی خطرہ دکھائی دینے کے لوگ ابھی تک سنگدلی اور عجب ونخوت سے کام لے رہے ہیں۔ نادان کب تک اس بے فکری میں بسر کریں گے۔ تاوقتیکہ لوگ ضد نہیں چھوڑتے۔ اپنی بری کرتوتوں سے باز نہیں آتے اور خدا تعالیٰ سے مصالحت نہیں کرتے، یہ بلائیں اور مصیبتیں دور نہیں ہونے کی۔ میں نے دیکھا ہے اور خوب غور کیا ہے کہ قحط کے دنوں میں لوگوں نے ذرا بھی قحط کی مصیبت کو محسوس نہیں کیا۔ شراب خانے اسی طرح آباد تھے اور بدکاریوں اور بدمعاشیوں کے بازار برابر گرم تھے۔(۔)

عقلمند وہ ہے جو عذاب آنے سے پیشتر اس کی فکر کرتا ہے اور دور اندیش وہ ہے جو مصیبت سے پہلے اس سے بچنے کی فکر کرے۔

انسان کو یہی لازم ہے کہ آخرت پر نظر رکھ کر برے کاموں سے توبہ کرے، کیونکہ حقیقی خوشی اور سچی راحت اسی میں ہے۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ کوئی بدکاری اور گناہ کا کام ایک لحظہ کے لئے بھی سچی خوشی نہیں دے سکتا۔ بدکار، بدمعاش کو تو ہر دم اظہار راز کا خطرہ لگا ہوا ہے۔ پھر وہ اپنی بدعملیوں میں راحت کا سامان کہاں دیکھے گا۔ آخرت پر نظر رکھنے والے ہمیشہ مبارک ہیں۔ ع مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

دیکھو ان قوموں کا حال جن پر وقتاً فوقتاً عذاب آئے۔ ہر ایک کو یہی لازم ہے کہ اگر دل سخت بھی ہو تو اسے ملامت کر کے خشوع خضوع کا سبق دے۔ رونا اگر نہیں آتا، تو رونی صورت بناوے پھر خود بخود آنسو بھی نکل آئیں گے۔

ہماری جماعت کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر پاک تبدیلی کریں، کیونکہ ان کو تو تازہ معرفت ملتی ہے اور اگر معرفت کا دعویٰ کر کے کوئی اس پر نہ چلے۔ تو یہ نری لاف گزاف ہی ہے۔ پس ہماری جماعت کو دوسروں کی سستی غافل نہ کر دے اور اس کو کاہلی کی جرأت نہ دلاوے۔ وہ ان کی محبت سرد دیکھ کر خود بھی دل سخت نہ کر لے۔

انسان بہت آرزوئیں اور تمنائیں رکھتا ہے۔ مگر غیب کی قضاء وقدر کی کس کو خبر ہے۔ زندگی آرزوؤں کے موافق نہیں چلتی۔ تمناؤں کا سلسلہ اور ہے، قضاء وقدر کا سلسلہ اور ہے اور وہی سچا سلسلہ ہے۔ خدا کے پاس انسان کے سوانح سچے ہیں۔ اسے کیا معلوم ہے اس میں کیا لکھا ہے۔ اس لئے دل کو جگا جگا کر غور کرنا چاہئے۔

﴿ملفوظات جلد اول ص 157﴾

مکرم مظفر احمد منصور صاحب وفات پا گئے

35 سال تک خدمات سلسلہ بجالانے والے مکرم مظفر احمد منصور صاحب مربی سلسلہ ابن مکرم چوہدری انور علی صاحب مرحوم مورخہ 9/ اکتوبر 2009ء کو صبح 5 بجے اٹک شہر میں بعمر 60 سال وفات پا گئے۔ مرحوم یکم جولائی 1949ء کو سدو کی ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد 11 جون 1961ء کو زندگی وقف کر کے جامعہ احمدیہ میں داخلہ لیا۔ یکم مئی 1974ء کو جامعہ احمدیہ ربوہ سے فارغ التحصیل ہو کر میدان عمل میں قدم رکھا۔ ترگڑی ضلع گوجرانوالہ، ایبٹ آباد اور کراچی میں خدمات بجالانے کے بعد 28 جون 1982ء کو آئیوری کوسٹ مغربی افریقہ آپ کو بھجوایا گیا جہاں آپ کچھ عرصہ امیر و مشنری انچارج بھی رہے۔ فروری 1989ء سے دسمبر 1989ء تک بورکینا فاسو میں خدمات دینیہ بجالانے کے بعد پاکستان کیلئے واپسی ہوئی۔ بعدہ نظارت دعوت الی اللہ، منڈی بہاؤالدین، مظفر آباد (آزاد کشمیر) ملتان، گجرات، گوجر خان اور لیہ میں بطور مربی سلسلہ خدمات سرانجام دیں۔ اپریل 2002ء سے تاوقت وفات مربی سلسلہ ضلع اٹک کے طور پر خدمت بجالا رہے تھے۔ مرحوم کے والدین وفات پا چکے ہیں۔ آپ نہایت خوش مزاج نیک سیرت، ملنسار اور ہنس مکھ انسان تھے۔ خلافت احمدیہ کے ساتھ والہانہ محبت وعشق کا تعلق تھا۔ مہمان نواز، غریبوں کے ہمدرد اور ان کے ساتھ شفقت کا سلوک کرنے والے تھے۔ لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے اور حلقہ احباب میں ہر دلعزیز اور پسندیدہ شخصیت تھے۔ مرحوم نے پسماندگان میں اہلیہ مکرمہ امۃ القیوم صاحبہ بنت مکرم چوہدری امیر خاں صاحب بھٹی مرحوم

☆☆﴿باقی صفحہ 8 پر﴾☆☆

عہد حضرت مسیح موعود کے موصی بزرگ

حضرت اقدس کی حیات طیبہ میں بہشتی مقبرہ قادیان کے مستند ریکارڈ کے مطابق 309 بزرگوں کو نظام الوصیت سے وابستگی کی سعادت نصیب ہوئی بطور نمونہ چند اہم شخصیات کے اسماء گرامی زیب قرطاس کئے جاتے ہیں:۔

1۔ حضرت میاں محمد حسن صاحب اوجلوی والد ماجد حضرت مولوی رحمت علی صاحب امیر جماعت احمدیہ انڈونیشیا (وصیت نمبر1)

2۔ حضرت میاں معراج الدین صاحب عمر لاہور (وصیت نمبر6)

3۔ حضرت چوہدری محمد حسین صاحب باجوہ تلونڈی موسیٰ خان برادر اصغر حضرت نواب محمد الدین صاحب (وصیت نمبر7)

4۔ حضرت چوہدری عبداللہ خاں صاحب بہلولپوری۔ حضرت اقدس نے تتمہ حقیقۃ الوحی میں اپنے نشان شہاب ثاقب 31مارچ 1907ء کے شاہدوں میں آپ کا نام پچیسویں نمبر پر رقم فرمایا ہے۔ (وصیت نمبر15)

5۔ حضرت میاں احمد الدین صاحب زرگر۔ سلسلہ کے مالی نظام کے استحکام میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت سیدنا فضل عمر کے پرجوش خادموں اور شیدائیوں میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی جیسے بلند پایہ رفیق خاص کے ساتھ آپ کا بھی شمار ہوتا ہے ملاحظہ ہو قادیان گائیڈ صفحہ 112 مولفہ میاں محمد یامین صاحب تاجر کتب قادیان (وصیت نمبر21)

6۔ حضرت بابو غلام محمد صاحب لاہور۔ آپ کو گورداسپور، امرتسر لدھیانہ اور دہلی کے سفروں میں اپنے مقتدا اور رہنما امام الزمان سے ہمرکابی کا شرف حاصل تھا۔ 1904ء میں مزار حضرت داتا گنج بخش کے عقب میں حضرت کا لیکچر ہوا۔ اس لیکچر میں آپ اپنے بھائی پہلوان کریم بخش صاحب اور ڈاکٹر محمد اسماعیل خاں صاحب گوڑ گانوی کے ساتھ کھڑے رہے جلسہ گاہ کے لئے ایک سٹیج لگایا گیا جس کے دونوں طرف قریباً پچاس پچاس سائبان نصب کئے گئے تھے۔ حضرت کے آخری سفر لاہور میں جب حضور فٹن پر سوار ہو کر بغرض سیر میانمیر کی طرف تشریف لے جاتے تھے۔ ملک مبارک علی صاحب اپنی گاڑی پر مع اپنے ساتھیوں کے حضور کی فٹن کے پیچھے رہتے اور اکثر مخلصین لاہور جو حفاظت کی غرض سے پیدل ساتھ چلتے تھے ان میں آپ بھی شامل تھے (وصیت نمبر24)

7۔ حضرت مولانا شیر علی صاحب مفسر تفسیر قرآن انگریزی (وصیت نمبر56)

8۔ حضرت میر سید ناصر نواب صاحب دہلوی والد معظم حضرت سیدہ اماں جان صاحبہ (وصیت نمبر68)

9۔ حضرت خان صاحب ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر رامپوری برادر اکبر علی برادران والد مولانا عبدالمالک خاں صاحب (وصیت نمبر75)

10۔ حضرت حسن موسیٰ خاں صاحب پرتھ آسٹریلیا (وصیت نمبر84)

11۔ حضرت قاضی محبوب عالم صاحب (وصیت نمبر88) مالک راجپوت سائیکل ورکس نیلا گنبد لاہور

12۔ حضرت میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی۔ برادر حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس (وصیت نمبر94)

13۔ حضرت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی والد محترم حضرت مولانا شمس صاحب (وصیت نمبر95)

14۔ حضرت مولوی فضل محمد صاحب ہرسیاں۔ والد حضرت مولانا ابو البشارت عبدالغفور صاحب فاضل (وصیت نمبر102)

15۔ حضرت حافظ مولانا نورالدین بھیروی قدرت ثانیہ کے مظہر اول (وصیت نمبر109)

16۔ حضرت پیر منظور محمد صاحب لدھیانوی (وصیت نمبر119) موجد قاعدہ یسرنا القرآن

17۔ حضرت چوہدری حاکم علی صاحب چک پنیار نانا مولانا نسیم احمد باجوہ صاحب مربی انگلستان (وصیت نمبر122)

18۔ حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب داماد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (وصیت نمبر137)

19۔ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی (وصیت نمبر149)

20۔ حضرت سید میر ناصر شاہ صاحب اوورسیئر کشمیر (وصیت نمبر150)

21۔ حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحب آف افریقہ (وصیت نمبر157)

22۔ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن مہر سنگھ صاحب (وصیت نمبر166)

23۔ حضرت مولوی امام الدین صاحب گولیکی والد حضرت مولوی ظہور الدین اکمل صاحب (وصیت نمبر197)

24۔ حضرت حافظ نور محمد صاحب فیض اللہ چک والد جناب رحمت اللہ خاں صاحب شاکر مرحوم اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل قادیان (وصیت نمبر267)

25۔ حضرت چوہدری غلام احمد خاں صاحب کریام (وصیت نمبر278)

26۔ حضرت ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیّر بانی مغربی افریقہ مشن (وصیت نمبر283)

27۔ حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب آف جدہ۔ حضرت ام وسیم کے والد ماجد۔ (وصیت نمبر290)

28۔ ضیغم احمدیت حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب۔ (وصیت نمبر303 تاریخ وصیت 7جنوری 1908ء)

موصی اول حضرت میاں محمد حسن صاحب نے 20 جولائی 1950ء کو وفات پائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئے۔ اور حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب قیام پاکستان سے قریباً سوا دو ماہ قبل قادیان میں داغ مفارقت دے گئے۔ مزار مبارک بہشتی مقبرہ قادیان میں ہے۔

«روزنامہ الفضل 14 جنوری 2006ء»

غزل

زندگی میں جب کبھی مجھ سے کوئی خطا ہوئی
دل میرا پگھل گیا، رب سے التجا ہوئی

دشمنوں نے تیر گو پھینکے بہت میری طرف
حفظ وامان میں رہا زرہ میری دعا ہوئی

ایک پاکیزہ بشر میری ڈھال بن گیا
فضل باری سے جسے خاص ہے عطا ہوئی

تھوکا جس نے چاند پر اس کے منہ پر ہی گرا
چاند کی تو روشنی اور بھی سوا ہوئی

جو خدا کی راہ میں ہو گئے ...... لوگ
ان کے ہی نصیب میں دائمی بقا ہوئی

جس کو حق نے چن لیا اپنے لطف خاص سے
ہاں قبائے نور بھی اس کو ہی عطا ہوئی

ہم کو مومن جو کوئی گالیاں بھی دے گیا
پھر بھی اس کے واسطے دل سے ہی دعا ہوئی

«خواجہ عبدالمومنؔ»

«پبلشر و پرنٹر» طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ «مطبع: ضیاء الاسلام پریس» «مقام اشاعت» دارالنصر غربی چناب نگر «ربوہ» قیمت 5 روپے

نماز میں توجہ قائم رکھنے کے ذرائع کا تجزیہ

محترم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب

نماز میں توجہ پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے متعدد مؤثر ذرائع ہیں اور ان مؤثر ذرائع کا تجزیہ اور وضاحت اچھی خاصی دلچسپی کا باعث رہے گی۔ نماز کے ارکان میں توجہ قائم رکھنے کے ذرائع کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ جن کی ظاہری شکلیں اپنی مختلف حرکات وسکنات کے ساتھ توجہ کے قیام اور تسلسل میں بہت مدد ثابت ہوتی ہیں۔ نماز کی رکعتوں میں تقسیم، نماز میں توجہ پیدا کرنے کے لئے نمایاں طور پر ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ نماز کی اس تقسیم سے یقیناً اور بھی کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں لیکن ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ نماز میں تصورات اور خیالات مخل نہ ہوں کیونکہ یہ دماغ کا خاصہ ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کو جنم دیتا ہے جو آپس میں اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنا کاردارد ہے۔ یہ امر قدرتی ہے۔ اسی لئے جب ایک حالت سے دوسری حالت میں جاتے ہیں تو خیالات اور تصورات کا یہ کارواں بھی سایے کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ حرکت کرتا رہتا ہے جب ہم ایک کام میں مشغول ہوں تو فطری طور پر آئندہ کرنے والے کام کی ایک جھلک موجودہ کام میں بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے موجودہ کام میں آئندہ آنے والے کام کے خیال اور تصور کا کچھ حصہ ضرور آجائے۔ اب ہماری روزمرہ کی زندگی افعال و اشغال کا لامتناہی چکر ہے اسی لئے بعض اوقات کسی کام میں توجہ کو قائم رکھنا نہایت مشکل ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری پنجگانہ نمازیں روزمرہ کی مصروفیتوں اور سرگرمیوں سے الگ نہیں کی جاسکتیں۔

پس نماز کے اصل حصے کو دوسرے افعال کے خیالات وتصورات سے محفوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔ اسی واسطے نماز کے حصوں کو اہمیت کے لحاظ سے اس طرح تقسیم کیا گیا کہ زیادہ اہم حصے کو فرائض قرار دیا گیا اور کم اہم کو سنن۔ سنتیں اگرچہ ضروری ہیں لیکن ان کی اہمیت اپنے وقت اور ماحول کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ ایسی نمازیں جن میں فرائض سنن کے درمیان واقع ہیں ان سنتوں سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ قبل از نماز اور مابعد کے دنیاوی اور غیر ضروری کاموں کے خیالات کی یورش سے انسانی دماغ فرض نماز میں محفوظ رہتا ہے۔ فرض نماز سے قبل سنتیں ان پراگندہ خیالات کو بڑی حد تک دور کردیتی ہیں جو نماز سے پہلے کے کاموں سے متعلق ہوتے ہیں جن سے چھٹکارا حاصل کر کے انسان نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اور نماز کے بعد کی سنتیں ان خیالات کو فرض نماز کی ادائیگی کے وقت دور رکھتی ہیں جو انسان کو نماز کے بعد کرنے ہوتے ہیں۔ اس طرح سے سنن کے فرض نماز سے پہلے یا بعد میں آنے کی حکمت واضح ہو جاتی ہے۔ سنن کا بعض نمازوں سے الحاق بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ ان کی ترتیب سے ظاہر ہے کہ ان کو حضور قلب کے حصول کے لئے ممد و معاون کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً فجر کی نماز نیند کے بعد ادا کی جاتی ہے جس کے بعد عام طور سے جلد ہی دنیوی اشغال کے شروع ہونے کی توقع نہیں کی جاتی اس لئے فرض نماز کے بعد کسی قسم کی سنتوں کو نہیں رکھا گیا لیکن فرائض سے پہلے دو سنتوں کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ انسان جب سونے کے بعد بستر استراحت سے اٹھتا ہے تو نیند کے غلبے کی وجہ سے کچھ سستی اور کاہلی کے اثرات ضرور موجود رہتے ہیں۔ فرائض سے قبل ان سنتوں کو ادا کرنے سے یہ سستی اور کاہلی دور ہو جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نمازی فرائض کو زیادہ توجہ سے ادا کر سکتا ہے۔ ظہر کی نماز عموماً نصف دن یعنی اوقات کار کے درمیان ادا کی جاتی ہے اور چونکہ نمازی نے نماز کے بعد بھی اتنے ضروری کام کرنے ہوتے ہیں جیسا کہ وہ نماز سے قبل بھی اہم دنیوی کاموں میں مشغول ہوتا ہے اس لئے سنن کو نماز سے قبل اور بعد میں رکھ دیا گیا ہے۔ عصر کی فرض نماز سے قبل سنتوں کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عموماً اس وقت انسان اپنے دنیاوی کام ختم کر چکتا ہے اور ذہن انسانی سے منتشر و پراگندہ خیالات دور ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عصر کی نماز میں سنتوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس نماز کے بعد عموماً کوئی کام باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح مغرب کی نماز سے قبل بھی کوئی سنتیں نہیں ادا کی جاتیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ عصر کی نماز کے بعد ایسا کوئی کام نہیں کیا جاتا جس کے گہرے نقوش دماغ کو پراگندہ کردیں۔ اور چونکہ غروب آفتاب اور رات کے طاری ہونے کے درمیان بہت کم وقفہ ہوتا ہے اس لئے پہلے سنن مقرر نہیں کی گئیں۔ البتہ مغرب کی نماز کے بعد سنن مقرر کی گئی ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد عموماً کھانا کھایا جاتا ہے اور انسانی دماغ کھانے اور اس کے متعلقات کی طرف متوجہ ہونے لگتا ہے اس لئے فرض نماز کو اس ذہنی کشمکش سے محفوظ رکھنے کے لئے دو سنتوں کی زیادتی کردی گئی۔ عشاء کی نماز سے قبل سنتوں کا پڑھنا لازمی قرار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ مغرب اور عشاء کے درمیانی وقفے میں عموماً کوئی ایسا واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوتا جس کے اثرات خیالات کو پراگندہ اور منتشر کردیں۔ البتہ نوافل کی اجازت ضرور دی گئی ہے۔ جیسا کہ عصر کی نماز سے قبل بھی ادا کئے جاسکتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ اگر نمازی چاہے تو اپنی توجہ کو قائم اور مضبوط کرنے کے لئے نوافل پڑھ لے۔ اس طرح یکسوئی حاصل ہوجائے گی۔ فرائض کے بعد دو سنتوں اور تین وتروں کو ادا کرنے کا حکم ہے۔ تاکہ وہ خیالات جو بستر استراحت پر لیٹے ہوئے آتے ہیں اور ذہنی اور قلبی یکسوئی کو مجروح کرتے ہیں ان کا تدارک کیا جاسکے۔ مومنین تین وتروں کو عموماً آدھی رات یا رات کے پچھلے حصہ میں ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے نیند کے دوران میں بھی نیک خیالات انسانی دماغ کو مصروف و مشغول رکھتے ہیں۔ اس طرح انسان اپنی نیند کا غلام نہیں بلکہ مالک و مختار ہوجاتا ہے۔ یعنی جب چاہے اس سے فائدہ اٹھائے اور جب چاہے اس کو اپنے کاموں میں اثرانداز نہ ہونے دے۔

کسی کام کے کرنے سے قبل اور مابعد کے کاموں کے خیالات کا یہ ارتباط بغیر کسی ارادی اور تجرباتی کوشش کے محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا تجزیہ کرنا بھی نہایت آسان ہے۔ مثلاً جو صورت نماز میں میں نے پیش کی ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو دو حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ کچھ لابدی قرار دیا جائے اور کچھ حصے پر اتنا ضروری نہ ہو محض اس لئے ہے کہ انسان کی توجہ اس حصہ پر جو نہایت ضروری ہے پوری طرح مرتکز رہے۔ اس قسم کا تجرباتی تجزیہ دوطرح سے مفید نتائج کا حامل ثابت ہوگا اولاً اس عجیب وغریب طریقہ عبادت یعنی نماز کے دلچسپ اجزا پر روشنی پڑے گی۔ ثانیاً انسانی ذہن سے توجہ کے متعلق کی کیفیت صبح سے دوپہر تک۔ دوپہر سے سہ پہر تک سہ پہر سے شام تک اور شام سے بستر پر دراز ہونے تک اور اس پر پڑنے والے اثرات کی وضاحت ہوجائے گی اس قسم کے تجربے اور تجزیے مذہبی اور نفسیاتی دونوں لحاظ سے نہایت اہم ہوں گے۔

نماز میں توجہ کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ نماز کی اس تقسیم رکعات کے علاوہ کئی اور بھی ایسے امور ہیں جو حضور قلب کے لئے انسان کے ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ طریق عبادت میں کئی ایسی شرائط اور قیود لگادی گئی ہیں جو توجہ کو برقرار رکھنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ نہایت اختصار کے ساتھ ان پر بھی روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان قواعد وضوابط کا مفصل تجزیہ، تجربات ومشاہدات کی روشنی میں پھر کبھی کیا جائے گا۔ سردست چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ان امدادی ذرائع میں سب سے اہم بات نماز کو خاص ضبط ونظم کے ساتھ باجماعت ادا کرنا ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حضرت بانی اسلام ﷺ نے اور اس وقت سے لے کر اب تک کے علماء وفضلاء نے بیوت الذکر میں نماز باجماعت ادا کرنے پر زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے مستند ائمہ اس خیال کے موید ہیں کہ نماز صرف اسی وقت نماز کہلاسکتی ہے۔ جب اسے بیوت الذکر میں جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے۔ یہ بھی عام مسلمہ بات ہے کہ نماز باجماعت کی ہیئت وساخت دوسری اجتماعی عبادات سے بہت مختلف ہے۔......کی باجماعت نماز چند نمازیوں یا عبادت گزاروں کا کوئی معمولی مجمع نہیں بلکہ ایک ایسا منظم اجتماع ہے جس کی قیادت امام الصلوٰۃ کرتا ہے۔ امام الصلوٰۃ کی حیثیت کے متعلق اتنا جاننا ضروری ہے کہ اس کی حرکات وسکنات کا مکمل تتبع مقتدیوں پر واجب ہے یہاں تک کہ اگر امام سے غیر ارادی طور پر کوئی فروگزاشت بھی ہوجائے تب بھی مقتدیوں کو حکم ہے کہ امام کی اطاعت کریں۔ ایسے اجتماع کا وجود حضور قلب کے حصول اور توجہ کے قیام میں کس قدر معاونت کرتا ہے۔ امام کی حرکات وسکنات بھی مقتدیوں کی توجہ کو انتشار سے بچاتی ہیں۔ مقتدی جونہی خیالات وتصورات کے پیچھے بھٹکنے لگتے ہیں جو کسی کام کے مسلسل کرنے کی وجہ سے قدرتی طور پر پیدا ہوجاتے ہیں۔ تو امام کا بلند آواز سے تبدیلی حرکات کا اعلان ان کی توجہ پھر نماز کی طرف منعطف کرا دیتا ہے۔ یہاں ہم ضرورت تبدیلی حرکات کے نکتے کی حقیقت سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں۔ نماز کی سنجیدہ، متین ادائیگی میں مختلف حرکات وسکنات اور ان پر امام کی بلند آواز تکبیروں سے نمازیوں کو یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ وہ ایک حالت کے اکتا دینے والے تسلسل سے جو نماز کی لذت کا ستیاناس کرسکتا ہے محفوظ ہوجاتے ہیں۔

نماز میں توجہ قائم رکھنے کا ایک اور اہم ذریعہ وہ حکم ہے جس کی رو سے نمازیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ عبادت کے دوران میں اپنی آنکھیں خوابیدہ کرنے کی بجائے اس مقام پر مرکوز کریں جسے سجدہ ریز ہونے کی حالت میں ان کے ماتھے چھوئیں گے۔ اکثر لوگ عموماً اور اہل مغرب خصوصاً اس حکم پر اعتراض کرتے ہیں لیکن اگر ہم غور سے جائزہ لیں تو توجہ قائم رکھنے کے سلسلہ میں اس کی ضرورت بھی واضح ہو جاتی ہے اگر بصارت کی حس مصروف عمل نہ ہو جیسا کہ آنکھ بند کر لینے کی صورت میں ہوتا ہے تو نمازی کا ذہن سننے، چھونے اور سونگھنے، غرض ہر قسم کے بیرونی اثرات کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ نمازی کے ذہن کو اس قسم کے اشتعال انگیز خارجی اثرات سے بچانے کے لئے بہترین صورت یہی ہوسکتی تھی کہ حواس خمسہ میں سے کوئی ایک حس پوری قوت کے ساتھ مصروف عمل رہے۔ ایک حس کے پوری شدت سے مصروف عمل ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ باقی حواس بیرونی اثرات کو قبول کرنے کی عام صلاحیت سے وقتی طور پر بے بہرہ ہوجائیں گے۔ اب ایسی آسان اور کارآمد حس صرف بصارت کی حس ہوسکتی ہے۔ آنکھوں کو بروئے کار لانے سے نمازی نیند کے حملہ سے بچ جاتا ہے اور ساتھ ساتھ دوسرے حواس بھی شدت عمل کو چھوڑ دیتے ہیں، قوت باصرہ کے انتشار کو روکنے کے لئے سادہ اور عام درجہ کی صفوں اور چٹائیوں پر نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رنگا رنگ اور بوقلموں قالین، غالیچے اور چٹائیاں نماز کے لئے مستحسن نہیں سمجھی گئیں۔

اس کے علاوہ وضو کا رکن بھی نماز میں توجہ قائم رکھنے کے لئے ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہ حضور قلب کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہونے والے ارکان کی بالتفصیل وضاحت کا موقعہ نہیں ہے۔ تاہم نماز کی بناوٹ اور ساخت اور اس میں دوسرے ضروری ارکان اس قابل ہیں کہ ان کا تجرباتی تجزیہ کیا جائے۔ تو ایسا تجربہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اگر ان تمام اجزاء کا مطالعہ کیا جائے۔ ان کی اصل حقیقت تلاش کی جائے تو یہ اقدام (دین حق) اور علم النفس دونوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ (ماہنامہ خالد، جنوری 1961ء)

مکرم عبدالمجید زاہد صاحب

خلفاء احمدیت کی شفقت بھری یادیں

1974ء کا سال جماعت احمدیہ میں تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سال پاکستان کے احمدیوں کو جانی اور مالی قربانیاں دینے کا موقعہ ملا۔ پورے ملک میں احمدیوں کی جائیدادوں کو جلایا گیا اور سینکڑوں احمدیوں کو راہ مولیٰ میں قربان کیا گیا۔ کنری جماعت کو بھی قربانی کا موقعہ ملا۔ مالی نقصان کے علاوہ ایک نوجوان کو بھی راہ مولیٰ میں قربان کیا گیا۔ اس موقعہ پر خاکسار ڈیوٹی پر تھا۔ خاکسار اور دو اور خدام گرفتار کر لئے گئے۔ ہم تینوں خدام کو کنری سے تحصیل عمر کوٹ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ اس جیل کا شمار سندھ کی گندی جیلوں میں ہوتا تھا جہاں پر صفائی کا کوئی خاص انتظام نہیں ہوتا تھا۔

جیل میں دوسرے قیدی ہم سے بات کرنے کو تیار نہ تھے اور برتنوں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے تھے جو کہ مٹی کے تھے۔ خاکسار کی اس وقت عمر 19 سال تھی میں نے جیل سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں دعا کے لئے خط لکھا اور جیل کے حالات لکھے۔ چنانچہ حضور کی دعاؤں سے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے قیدیوں میں اچانک بہت تبدیلی آ گئی اور وہ ہم سب کی بہت عزت کرنے لگے۔ ہم جب نماز پڑھتے تو بڑے غور سے دیکھتے اور قرآن مجید کی تلاوت بھی بڑی توجہ سے سنتے۔ پھر قیدیوں کی خواہش پہ انہیں جماعت کا تعارف کرایا گیا تو بے ساختہ کہنے لگے کہ اصل مومن تو آپ لوگ ہیں۔

جیل میں ایک دن میں اپنے پیارے حضور خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں دعائیہ خط لکھ رہا تھا تو ایک قیدی جو ہندو تھا۔ جس کا نام دولت رام تھا۔ میرے قریب آ گیا اور کہنے لگا کس کو خط لکھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اپنے پیارے حضور کی خدمت میں دعا کے لئے خط لکھ رہا ہوں تا کہ ہماری جلد رہائی ہو تو وہ ہندو قیدی کہنے لگا میں بھی آپ کے امام کو دعا کے لئے خط لکھ سکتا ہوں کیا وہ میرے لئے بھی دعا کریں گے یا صرف احمدیوں کے لئے کرتے ہیں؟ میں نے کہا کہ آپ کے لئے بھی دعا کریں گے۔ وہ قیدی پڑھا لکھا تھا اس نے حضور کی خدمت میں دعا کے لئے خط لکھا اور اپنے سارے حالات لکھے اور جلد رہائی کے لئے دعا کی درخواست کی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اس ہندو کے خط کا جواب دیا۔ جس سے وہ بہت خوش ہوا پھر وہ ہندو قیدی اکثر حضور کی خدمت میں دعائیہ خط لکھتا جس میں وہ اپنی جلد رہائی کے لئے دعا کی درخواست کرتا اور حضور کی دعا سے وہ قیدی جلد رہا ہو گیا۔ حضور نے ہم اسیران سے ملنے کے لئے مرکز سے وفد بھجوایا جو ہمیں عمر کوٹ جیل میں ملنے آیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور پیارے حضور کی دعاؤں سے ہم تینوں اسیران جلد رہا ہو گئے۔ یہ خلافت ہی کی دعائیں تھیں جس کی دعاؤں سے ایک ہندو نے بھی استفادہ کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث جب سندھ کی جماعتوں کا دورہ فرماتے تو ناصر آباد اور محمود آباد فارم میں قیام کرتے اس موقعہ پر خاکسار کو آپ کے قریب رہنے کا بہت موقعہ ملا۔ جب بھی آپ اپنی زمینوں کا دورہ کرتے تو خاکسار آپ کے ساتھ ہوتا۔

سندھ میں پانی کی بہت کمی ہے۔ خاص طور پر محمود آباد کے اردگرد جو زرعی فارم ہیں انہیں پانی کم ہونے کی وجہ سے بہت نقصان پہنچا ہے۔ آموں کے باغات ختم ہو رہے ہیں لیکن وہ آم کا پودا جو آج سے تقریباً تیس سال پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا آج بھی سرسبز اور شاداب ہے اور اس آم کے پودے سے بہت سارے احمدی اس کا تبرک حاصل کر رہے ہیں خاکسار بھی ان خوش نصیبوں میں سے ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد سندھ میں تین دفعہ دورے پر تشریف لائے۔ 1983ء میں جب سندھ کے دورے پر اپنے زرعی فارم ناصر آباد تشریف لائے تو خاکسار نے حضور کی خدمت میں فیملی کے ساتھ ملاقات کی درخواست کی۔ حضور نے ازراہ شفقت ملاقات کی اجازت فرمائی اس ملاقات میں خاکسار کی بڑی ہمشیرہ اور اس کے بچے بھی ساتھ تھے۔ ملاقات کے دوران حضور نے میرے بھانجے عمران بابر کو پیار کیا اور اس کے سر پر پیار اور شفقت سے ہاتھ پھیرا میری ہمشیرہ نے بچوں کی صحت و سلامتی نیک و خادم دین ہونے کے لئے دعا کی درخواست کی۔

حضور کی دعاؤں سے میرے دونوں بھانجے انجینئر ہیں ایک جہانگیر عامر واپڈا نواب شاہ میں SDO ہے اور دوسرا جس پر حضور نے شفقت کا ہاتھ سر پر رکھا تھا اس نے انجینئر بننے کے بعد اپنی زندگی وقف کر دی اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے تحریک جدید کے زرعی فارم محمد آباد سٹیٹ میں خدمت کر رہا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کبڈی کے کھیل کو بہت پسند کرتے تھے۔ ناصر آباد (سندھ) کے دورے کے موقعہ پر حضور نے کبڈی دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ خدام الاحمدیہ کا کبڈی کا نمائشی میچ کروایا گیا۔ حضور یہ میچ دیکھنے کے لئے تشریف لائے اور کھلاڑیوں کے ساتھ گروپ فوٹو بھی بنائے۔ خاکسار بھی کبڈی کھیلتا تھا ایک موقعہ پر میں جب کبڈی ڈالنے گیا تو مخالف کھلاڑی کا ناخن میرے سینہ پر لگا اور اس زخم سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ مجھے چونکہ کوئی تکلیف نہیں تھی اس لئے زخم اور خون بہنے کا احساس بھی نہیں ہوا اسی دوران پیارے حضور کی مجھ پر نظر پڑی تو آپ نے بڑی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے انتظامیہ کو کہا کہ عبدالمجید زاہد کے زخم ہوا ہے اور خون بھی بہہ رہا ہے اس لئے فوری ڈریسنگ کی جائے۔ میں نے ہاتھ کے ساتھ خون صاف کرتے ہوئے حضور سے عرض کی حضور میں ٹھیک ہوں۔ بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے لیکن میرے لئے ناقابل فراموش واقعہ ہے ہمارے پیارے حضور ہم سے کتنا پیار کرتے ہیں اور حضور ہر ایک کھلاڑی کو بڑے پیار اور شفقت سے دیکھ رہے تھے۔ یہ تو سنا ہے کہ مرید اپنے پیر سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن ایک پیر اپنے مریدوں سے اتنا پیار کرتا ہے اس کی مثال صرف اور صرف جماعت احمدیہ کے پیر امام وقت اور خلیفہ کی ہی دی جاسکتی ہے۔ ہمارے حضور ہمارا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ ہمارے لئے دعائیں کرتے اور راتوں کو جاگتے ہیں۔ ہم حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کر کے سکون سے سو جاتے ہیں۔

1985ء میں ہمارے خدام کو کلمہ کی وجہ سے گرفتار کیا گیا اور سو سے زائد ہمارے ضلع کے خدام کو اسیران راہ مولا ہونے کا شرف حاصل ہوا اس وقت خاکسار قائم مقام قائد ضلع تھا تو میں نے حضور کی خدمت میں اسیران کی رہائی کے لئے اور ضلع کے حالات لکھے حضور نے اس خط کے جواب میں بہت ہی پیارا اور محبت بھرا خط لکھا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور انور کی دعاؤں کے طفیل اس علاقہ میں احمدیت نے بہت ترقی کی ہے اور کئی پھل حاصل ہوئے ہیں اور لوگوں کو حق قبول کرنے کی توفیق ملی۔

1995ء میں میرا چھوٹا بیٹا عدنان زاہد جس کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال تھی۔ اچانک وفات پا گیا میری بیوی کے لئے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا کیونکہ تین بیٹیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرا بیٹا عطا کیا تھا۔ اس لئے میری بیوی نے اس کی وفات کا بہت گہرا اثر لیا۔ چنانچہ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی خدمت میں تفصیلی حالات لکھے اور دعا کی درخواست کی۔ حضور نے ازراہ شفقت خط کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ صبر کریں اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور کی دعاؤں سے 1996ء میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں نعم البدل عطا کیا اس کا نام دانیال زاہد ہے اور وہ اللہ کے فضل سے ساتویں کلاس کا طالبعلم ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے نیک اور خادم دین بنائے۔ آمین

ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمارا ایک امام اور پیارا خلیفہ ہے جو ہماری راہنمائی کرتا اور ہمارے لئے دعائیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پیارے حضور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو لمبی اور صحت والی عمر عطا فرمائے اور ہمیں ہمیشہ خلافت کے ساتھ وابستہ رکھے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولادوں کو بھی ہمیشہ خلافت سے محبت اور اس کی برکتیں اور دعائیں حاصل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

جوڑوں کا درد

جوڑوں کے درد کے مرض کی تاریخ انتہائی پرانی اور قدیم ہے۔ اس کو دنیا کا قدیم ترین مرض کہا جاتا ہے۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس مرض کے آثار مصری ممیوں میں بھی دیکھے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کہ قدیم مصریوں، یونانیوں اور رومنوں میں بھی یہ مرض عام تھا۔ برطانیہ میں ہڈیوں اور جوڑوں کے ورم (Osteo Artharitis) کے مریض بڑی تعداد میں ہیں۔ وہاں زیادہ عمر کے لوگوں میں ہر تین افراد میں ایک فرد اس مرض کے ہاتھوں پریشان ہے۔ انگلینڈ میں اس مرض کی زیادتی کی وجہ وہاں کی نم دار اور ٹھنڈی ہوا بتائی جاتی ہے۔ پاکستان میں بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے افراد کو چھوڑ کر نوجوانوں میں بھی خاصی تعداد میں یہ مرض پایا جاتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق علاج کے لئے آنے والے مریضوں میں ہر پانچواں فرد جوڑوں کے درد کی شکایت کرتا نظر آتا ہے۔ یہ مرض مردوں کی نسبت خواتین میں تین گنا زیادہ ہوتا ہے۔ طبی ماہرین خواتین میں بڑھے ہوئے تناسب کی کوئی توجیح پیش نہیں کر سکے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس کی وجہ ہارمونی تغیرات بھی ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بات ضرور نوٹ کی گئی ہے کہ ایام کے دوران اس کی علامات میں اضافہ ہو جاتا ہے اس طرح زمانہ حمل میں مرض کا غلبہ کم ہو جاتا ہے، لیکن بچے کی پیدائش کے بعد مرض پھر عود کر آتا ہے۔

دو ہڈیوں کے جائے اتصال کو جوڑ کہا جاتا ہے۔ انسانی جسم میں دو قسم کے جوڑ ہوتے ہیں۔ ایک متحرک دوسرے غیر متحرک۔ متحرک جوڑوں میں ہاتھ پیروں کی انگلیاں، گھٹنے، کاندھے کلائی کے جوڑ وغیرہ ہیں۔ چھوٹے بڑے جوڑ بناوٹ کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوتے ہیں۔ ان جوڑوں کو جھٹکوں سے محفوظ کرنے کے لئے قدرت مہربان نے شاک آبزرور کے طور پر جوڑوں کے سروں پر کُرّی کی ہڈیاں رکھی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جوڑوں کو چکنا اور تر رکھنے کے لئے اس کے اردگرد ایک جھلی کا استر چڑھا ہوا ہوتا ہے جس میں ایک قسم کا تیل موجود رہتا ہے، جس کا کام جوڑوں کو رگڑ سے محفوظ رکھنا ہے، لیکن کبھی کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر اس جھلی میں سوزش ہونے لگتی ہے جس کے سبب مادہ کی پیدائش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جوڑ متورم ہو جاتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سختی پیدا ہونے لگتی ہے۔ کُرّی کی ہڈیاں جن کا کام جوڑوں کو رگڑ سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے تباہ ہو جاتی ہیں اور اس طرح جوڑوں میں درد کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ جوڑوں کے درد کا تعلق ایک حد تک ذہنی کیفیات سے بھی ہے۔ ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ اچانک پڑنے والی کسی افتاد کے نتیجے میں جوڑوں کے درد کا حملہ ہوا ہے۔ کبھی اس مرض کا سبب جوڑوں کے درمیان میں موجود دھنیت (چکناہٹ) کا فقدان بھی ہوتا ہے اور جوڑوں کے باہمی رگڑ سے درد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

(ہمدرد صحت اکتوبر 2008ء)

صوفی تبسم

اردو زبان کی ابتدا

آج تک اردو زبان کی ابتدا کے متعلق بہت سے نظریئے قائم کئے جا چکے ہیں۔سب سے پرانا اور مشہور ترین خیال اردو کی ولادت کے متعلق وہ ہے جو مولانا محمد حسین آزاد نے اپنی تصنیف ’’آب حیات‘‘ میں پیش کیا ہے کہ یہ زبان برج بھاشا سے نکلی ہے۔ جو دہلی اور دوآبہ کے گردونواح کی زبان تھی اور اس میں سب سے پہلے لکھنے والے امیر خسرو تھے جن کی کتاب ’’خالق باری‘‘ اردو فارسی لغت ہے۔ یہ خیال دراصل یورپ کے بعض فاضلوں مثلاً گارسان داتاسی اور ڈاکٹر سپرنگر کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس میں مولانا صہبائی اور دوسرے اردو کے ابتدائی تذکرہ نگار بھی شامل ہیں۔ لیکن جوں جوں اس زبان کے بارے میں تحقیقات کا سلسلہ بڑھتا گیا۔اس خیال کو بھی تبدیلیوں کا سامنا کرنا پڑا۔جن سے نہ صرف اس زبان کے مقام ولادت کے متعلق خیالات میں تبدیلی آ گئی بلکہ عہد اور زمانے میں شبہات پیدا ہونے لگے۔

اس سے پہلے عام خیال یہی تھا کہ اردو اپنی متکلم شکل میں سلاطین مغلیہ کے لشکروں میں پیدا ہوئی اور وہیں پرورش پا کر ادھر ادھر پھیل گئی۔ انہی سرپرستیوں اور ادب نوازیوں کی بدولت دلی اردو زبان کا مرکز بنی اور قلعہ معلیٰ کی پاکیزہ اور شستہ زبان اردوئے معلیٰ کہلائی۔

اس خیال کے ساتھ ساتھ دکن کا نظریہ موجود تھا اور اہل دکن اس بات کے دعویدار تھے کہ اردو کا مولد و منشاء سرزمین دکن ہے۔ یہ خیال اس حد تک تو ضرور صحیح تھا کہ اردو کی سب سے پہلی تصنیف دکن ہی میں ہوئی لیکن اس امر سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ زبان کے لئے تفصیلی صلاحیت پیدا کرنے سے پہلے اس کا موجود ہونا ضروری ہے اور یہ امر ابھی تک پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچا تھا۔ دکنی نظریئے کے متعلق زیادہ بحث و تمحیص کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بعض تاریخی واقعات اور خارجی و اندرونی شہادتیں اس کے خلاف موجود تھیں۔لیکن ان تاریخی شواہد کی چھان بین پورے طور پر نہیں ہوئی تھی اور اردو زبان کے ابتدائی نمونے ابھی پردۂ اخفا میں تھے۔مزید برآں اس نظریہ کے علمبردار خود اس بات کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ گویہ اعتراف دبی زبان میں تھا۔شمس اللہ قادری نے ’’اردوئے قدیم‘‘ میں دکنی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ زبان شمال سے حملہ آوروں کے ساتھ دکن میں آئی پھر ایک اور جگہ تفصیل سے مگر چھپے چھپے یوں کہا کہ:۔

’’مصنفین نے عدم واقفیت کے باعث اردو کی اس سرگذشت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے جو دکن سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی وجہ سے ان کی تصریحات نہایت ناقص اور متضاد ہوگئی ہیں۔ تاریخ اردو کا یہ تاریک حصہ جو کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اگر روشنی میں لایا جائے اور اس کی زبان پر اردو زبان کی عہد بعہد ترقیاں مطالعہ کی جائیں اور اس کے بعد اس کی تاریخ کو سلسلہ وار ترتیب دیا جائے تو اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ آل سبکتگین کے زمانے میں اردو زبان کی ابتدا ہوئی۔‘‘

بعد میں آنے والوں نے تو کھلے طور پر تسلیم کر لیا کہ اردو کی داغ بیل سب سے پہلے شمال ہندوستان میں پڑی۔ دکن میں اردو کا مصنف کہتا ہے۔’’گلستان ہند کے شمال چمن میں مغربی دروازوں کے باغبانوں نے آ کر اردو کا بیج بویا۔ گنگا جمنا نے آبیاری کر کے چھوٹے سے پودے کو اگایا۔ اسی کے قریب گلزار دکن میں انہیں ہاتھوں نے اس بیج کو زمیں میں ڈالا۔‘‘

’’اردو شہ پارے‘‘ کا مؤلف مسعود سعد سلیمان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔’’مسعود نے تین دیوان مرتب کئے تھے۔ ان میں ایک ہندی (جو زبان ہندوستان میں بولی جاتی تھی) میں تھا۔ امیر خسرو نے بھی اپنے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ میں مسعود کے دیوان کی متعلق یہی لکھا ہے۔ مسعود لاہور کا باشندہ تھا۔ جس وقت مسلمانوں نے دہلی فتح کی بقید حیات تھا۔ اسی طرح اس نے جو کچھ بھی لکھا ہوگا وہ یقیناً اسی زبان کا تھا۔ جو پنجاب میں بولی جاتی تھی اور وہ زبان بہت ممکن ہے کہ اردو کی بالکل ابتدائی صورت ہو۔‘‘

’’اردو شہ پارے‘‘ کے مؤلف ڈاکٹر سید محمد محی الدین قادری کا یہ بیان فی الحقیقت حافظ محمود شیرانی مرحوم کی کتاب ’’پنجاب میں اردو‘‘ کے ردعمل کو ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے اردو کی ابتدا کا مسئلہ ہمیشہ بحث طلب رہا۔ دلی لکھنو، پنجاب و دکن ہمیشہ اس بارے میں الجھتے رہے۔ یہاں تک کہ حافظ محمود شیرانی کی کتاب ’’پنجاب میں اردو‘‘ شائع ہوئی اور اس سے آپ نے بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ان تمام امور پر روشنی ڈالی جو زبان کے مولد و منشاء کے بارے میں برسوں تک متنازعہ فیہ رہے تھے۔ ان تمام تفاصیل کا خلاصہ یہ تھا کہ سیاسی اور معاشرتی ماحول اور زبان کی ساخت اور اس کے صرفی ونحوی قاعدے اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ موجودہ اردو زبان کو پنجاب کی زبان سے ایک گونہ مماثلت ہے۔

اس کتاب کے شائع ہونے پر ’’دکن سکول‘‘ اور ’’برج بھاشا سکول‘‘ کے پرستاروں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ ہر طرف سے مخالفت میں آوازیں بلند ہوئیں۔ لیکن جب لوگوں نے تاریخی اور معاشرتی شواہد کو ٹٹولا اور ان کے پیش کئے ہوئے دلائل پر غور کیا تو رفتہ رفتہ طبیعتوں کا میلان اس خیال کی طرف ہوتا گیا۔ بالآخر اس نظریہ کو وزنی اور قابل قدر سمجھتے ہوئے ان کی تائید کی۔

اس نظریہ کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد، ان کی عسکری کار گزاریوں اور فتوحات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اگرچہ ابتدا میں محمدؒ بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا اور اپنے مختصر سے زمانہ حکومت میں اس ملک کی اقوام سے انتظامی میل جول پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ اس سے پیشتر بھی مسلمانوں اور پنجابیوں اور سندھیوں میں تمدنی میل ملاپ شروع ہو چکا تھا۔ تاہم سب سے بڑا سیاسی انقلاب محمود غزنوی کے حملوں نے کیا۔ جس کے مشہور و معروف سترہ حملوں نے نسل انسانی کے دو مختلف گروہوں کو اس طرح خلط ملط کر دیا کہ بقول مورخ فرشتہ ’’غزنی گویا ہندوستان کا ایک صوبہ معلوم ہونے لگا۔‘‘

محمود کے بعد اس کی سلطنت کم و بیش ایک صدی تک رہی۔ اس زمانہ میں دارالسلطنت غزنی میں ایک ترجمان، ہندوستانی باہمی اظہار خیال کے لئے رکھا جاتا تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک ہندی کے اس ہنگامہ خیز خلط ملط کا نتیجہ کچھ نہ نکلا ہوگا؟ اور اس کا اثر اس سرزمین پر نہیں پڑا ہوگا؟ جہاں سب سے پہلے یہ دونوں قومیں آپس میں ٹکرائیں۔ پھر سیاسی حالات اور تمدنی نظام کے بدل جانے سے ایک دوسرے کے قریب تر آ گئیں۔ مسعود سعد سلیمان جس کا ابھی ابھی ذکر ہوا ہے۔ اس دور کا شاعر تھا۔ اس نے اپنا ہندی دیوان جس زبان میں لکھا ہوگا وہ سوائے پنجاب کی زبان کے اور کوئی دوسری زبان نہیں ہوسکتی۔ تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسعود نے خاص پنجابی طرزیں بھی اختیار کیں چنانچہ اس کے فارسی کلام میں بھی ’’بارہ ماسہ‘‘ جو ایک خاص پنجابی چیز ہے اور جس کا رواج پنجابی شاعروں میں کچھ عرصہ تک یہاں عام تھا پایا جاتا ہے۔ اسی ربط و نظم اور خلا ملا کا نتیجہ تھا کہ حکیم سنائیؒ کے کلام میں بھی جو اسی عہد کے شاعر ہیں بعض ہندوستانی الفاظ ’’کوتوال‘‘ ’’پانی‘‘ وغیرہ ملتے ہیں۔’’کوتوال‘‘ کا لفظ ’’کوٹ والا‘‘ کی تبدیل شدہ صورت حال ہے جس کے معنی ’’مالک قلعہ‘‘ کے ہیں۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس زمانے میں اس زبان میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوگیا ہوگا۔ بلکہ مقصد صرف یہ ہے یہاں فارسی ترکی اور پنجابی کے باہمی میل جول سے اس ملک کے باشندوں اور مسلمان آبادکاروں کے درمیان ذریعہ اظہار خیال کے طور پر ایک زبان معرض وجود میں آئی جو ان کے معاشرتی کاروباری اور تجارتی ضروریات کے لئے کافی تھی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جوں جوں مسلمان حملہ آوروں اور نوواردوں کے قدم پنجاب کی سرزمین سے آگے بڑھتے چلے گئے تو زبان بھی پھیلتی چلی گئی۔ پنجاب سے دہلی اور دہلی سے شمالی ہندوستان کے باقی علاقوں میں پہنچی۔ یہاں ایک چیز کی وضاحت نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے وہ برج بھاشا اور اردو باہمی ربط وضبط ہے کہ یہ کہنا کہ اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور اسی کی ایک شاخ ہے اس نظریہ کی تردید ذرا حافظ محمود شیرانی کے الفاظ میں سنیئے:۔

’’جب ہم اردو کے ڈول اس کی وضاحت کی ساخت اور وضع قطع کو دیکھتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ڈھنگ اور ہے برج بھاشا کا رنگ اور ہے۔ دونوں کے قواعد وضوابط واصول مختلف ہیں۔ اردو برج بھاشا کے مقابلہ میں پنجابی بالخصوص ملتانی سے مماثلت قریبہ رکھتی ہے۔ برج بھاشا سے چند ترمیمیں قبول کر لینا یا الفاظ کا مستعار لے لینا دوسری بات ہے۔ لیکن جہاں برج بھاشا نے اس سے الفاظ مستعار لئے ہیں وہاں پر اپنا اثر بھی ڈالا ہے اور برج بھاشا پر کیا موقوف ہے۔ ہندوستان کی دوسری زبانیں بھی اردو کے پرتو سے خالی نہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ اردو زبان بین الاقوامی ضروریات کی بناء پر وجود میں آئی۔ لیکن بہت جلد بعد وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی عام زبان بن گئی۔ اس نے ستلج پار ہو کر مسلمانوں کا دامن پکڑ لیا۔ مسلمان سپاہی اہل عملہ دست کار، پیشہ ور، مزدور، فقیر درویش و مسافر کا ساتھ دیا۔ دکن، بنگال، گجرات جہاں کہیں وہ گئے یہ ان کے ساتھ رہی اور ساتھ ہی بسی۔ ابتدا میں وہ عوام اور غیر تعلیم یافتہ طبقے کی زبان تھی آخر میں اس کی ہر دلعزیزی دیکھ کر تعلیم یافتہ طبقے نے بھی اس کی طرف توجہ کی۔

مسلمانوں کی فتح دہلی کے بعد سب سے مؤثر حملہ جو دکن پر ہوا وہ سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانے میں اس کے بیٹے خضر خاں نے کیا۔ گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ اس زمانہ سے اردو کی داغ بیل دکن میں پڑ گئی۔ اس کے تقریباً پون صدی بعد سلطان محمدؒ تغلق نے دلی سے اپنا دارالسلطنت منتقل کرتے ہوئے دولت آباد میں اپنی راج دہانی قائم کی۔ دہلی کی بیشتر آبادی کو نئے دارالسلطنت میں بسنے کے شدید احکام جاری ہوئے اسی زبردست خلط ملط کے طفیل اردو دکن کی سرزمین میں مضبوطی کے ساتھ جم گئی۔ اسی زمانے سے اس میں بول چال شروع ہوئی۔

شمالی ہندوستان کے مقابلہ میں دکن کی سرزمین اس زبان کی ترویج و اشاعت کے لئے بہت سازگار ثابت ہوئی۔ اس کی مختلف وجوہات تھیں:۔

1۔ ایک تو یہ کہ دکن کے فرمانرواؤں کی محل سراؤں میں ہندورانیاں داخل ہوگئیں۔ جس سے ان کے تعلقات وہاں کے ہندو باشندوں سے زیادہ استوار ہو گئے۔ لازمی امر تھا کہ وہ ایسی زبان کو جو نہ تو اجنبی زبان ہو اور نہ ہندوستان کی قدیم پراکرت، نسبتاً زیادہ پسند کرتے جو دو قوموں کے میل ملاپ کا ذریعہ تھی اور جس کا اختیار کرنا دونوں کو ایک دوسرے کے قریب تر لا سکتا ہے۔

2۔ دوسری وجہ اس سرزمین میں صوفیاء اور مشائخ کی کثرت تھی۔ جن کا کام زیادہ تر اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت تھا اور ظاہر ہے کہ اس تبلیغ و اشاعت کے لئے عوام سے رابطہ و اتحاد قائم کرنا پڑتا ہوگا۔ لازمی طور پر

ایک ایسی زبان کو ذریعہ اشاعت بنایا گیا۔ جو ان بزرگوں اور عوام کے درمیان ایک آسان اور مفید رابطے کا کام دے سکتی تھی۔

3۔ تیسری وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ دکن کے تاجدار مغلیہ شہنشاہوں کے مقابلے میں ایک امتیازی شان بھی پیدا کرنا چاہتے ہوں اور فارسی کے ساتھ ساتھ اردو کو رواج دے کر اپنی تسکین طبع کا سامان مہیا کرتے ہوں۔

محمد تغلق کے آخر زمانہ سلطنت میں دکن نے بغاوت کی۔ حسن گنگو نے بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ جو تقریباً دو سال تک حکمران رہا اور پھر بہمنیوں کی سلطانی میراث پانچ مختلف خاندانوں میں بٹ گئی۔ یہ سلطنتیں طاقتور اور ممتاز تھیں انہیں کے عہد میں اردو زبان کو ادبیات کا رتبہ ملا۔ یہ سارا عرصہ تقریباً ساڑھے تین سو سال کا ہے۔ اس زمانے میں دہلی اور دکن میں کوئی پائیدار اور مستقل سیاسی اور تمدنی تعلق قائم نہ رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اردو متعدد امور میں جو بعض صرف نحو سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض محاوروں سے مختلف ہوگئی۔ اہل علم نے اسی امتیاز کو ظاہر کرنے کے لئے ایک کا نام دکنی رکھا اور دوسری کا نام اردوئے معلّٰی رکھ دیا۔ دکنی زبان تغلقوں کے عہد کی زبان کی مقلد رہی اور شمالی ہندوستان کی زبان بیرونی اثرات کے ماتحت بدلتی رہی اور فارسی کے آغوش میں رہ کر اس کے بہت قریب ہوگئی۔

بہرحال دکنی شمالی ہندوستان کی اردو کتنی مختلف کیوں نہ ہو۔ اس کی بنیادی صورت اردو سے بہت کچھ مشابہ ہے اس کے الفاظ میں بہت سے الفاظ پنجابی کے ہیں۔ وجہی جو ولّی سے پہلے گزرا ہے جس کی کتاب ''مثنوی قطب مشتری'' نے ولی اورنگ آبادی سے اولیت کا سہرا چھین لیا۔ دکن کے قدیم اور اول درجے کے ادیبوں اور شاعروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کتاب کی زبان میں پنجابی الفاظ کثرت سے ملے ہوئے ہیں۔ دلچسپی کے لئے چند ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

ادھار (سہارا) انب (آم) آپے (آپ) اجھوں (ابھی) کدھیں (کبھی) کوہ (کوس) انگ (جسم) پٹی (تختی) تھنڈ (ٹھنڈی) ڈب مرنا۔ (ڈوب مرنا) دسنا (نظر آنا)۔

اس قبیل کے سینکڑوں الفاظ ہیں جو اس طرح جواز میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وجہی کی شاعری کی مختلف اصناف کی بنیاد پڑی۔ اسی مثنوی میں نظم کی یکسانیت کو توڑنے کی خاطر غزل کی صنف کو استعمال کیا گیا ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ غزلیں بذات خود قدیم ادبیات اردو کا اچھا خاصہ نمونہ ہیں۔ جو بعد میں دلی کے یہاں جسے اردو شاعری کا باوا آدم کہا جاتا ہے دیکھنے میں آتی ہے۔

یہ بحث ناتمام رہے گی اگر ہم اردو کے مختلف علموں کا ذکر نہ کریں۔ جو وقتاً فوقتاً اس کے لئے استعمال ہوتے رہے۔ یہ بات تعجب سے خالی نہیں کہ آج ہماری زبان جس لفظ کے ساتھ مشہور ہے وہ ایک نیا نام ہے اردو ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی بازار یا کیمپ وغیرہ کے ہیں اور یہ لفظ فارسی تصنیفات میں اس زمانے میں سے چلا آتا ہے جب سے اس زبان پر منگولوں اور ترکوں نے اپنا اثر ڈالا۔ سب سے پہلے جس فارسی کتاب میں یہ لفظ استعمال ہوا وہ ''جہاں کشائی جوینی'' ہے۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے۔ غالباً سب سے پہلے بابر نے اپنی کتاب ''تزک'' میں اسے استعمال کیا ہے اس کے بعد یہ لفظ عام ہوگیا۔ لیکن اس کے معنی لشکر گاہ اور چھاؤنی کے رہے مغلوں نے زمانے میں چلتی ہوئی فوجوں کے ساتھ جو ٹکسال قائم کی جاتی تھی۔ وہاں سے نکلے ہوئے سکوں پر ''اردوئے ظفر قرین'' لکھا جاتا تھا۔ محمدؐ شاہ کے عہد کے قریب شاہی قلعہ کے باہر لاہوری دروازے کے پاس ایک بازار ''اردو بازار'' کے نام سے مشہور تھا۔ جو غدر کے بعد انگریزی فتح مند فوجوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوگیا اور جس کا ذکر غالب نے بھی اپنے خطوط میں کیا ہے۔ اسی طرح اس جگہ کے قریب ایک مندر ''اردو مندر'' کے نام سے آباد تھا جو غالباً لشکریوں کے ہندو عنصر کے لئے عبادت گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

غرض کہ لفظ اردو کا استعمال ان چار پانچ مقاموں پر ہم کو یہ پتہ دیتا ہے کہ ہماری زبان بھی انہیں لشکریوں سے مناسبت رکھنے کے باعث اس نام سے مشہور ہوگئی ہوگی اس خیال نے بعض لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کردیا ہے کہ زبان اردو انہی لشکریوں کے اندر پیدا ہوئی اور اس کی عمر خواہ کتنی ہی ہو۔ خود زبان کی موجودگی سے اس سے سینکڑوں سال پہلے سے ثابت شدہ ہے۔ ہمارے موجودہ لٹریچر میں سب سے پہلے جس شخص نے اپنی کتاب میں اردو کا لفظ اس معنی میں استعمال کیا وہ محمد حسین تحسین ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتاب ''نوطرز مرصع'' آج سے تقریباً ایک صدی پہلے لکھی تھی۔ پھر اس کے بعد تقریباً اسی زمانے میں میر امّن نے ''باغ و بہار'' میں یہی نام استعمال کیا۔ اس کے بعد اس نام کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ آج اس سے بہتر کوئی اور نام معلوم نہیں ہوتا۔

بہرحال یہ ثابت ہوگیا ہے کہ اردو کا موجودہ نام ڈیڑھ سو سال سے زیادہ پرانا نہیں خود تحسینؔ اور میر امّنؔ اردو نظم کے لئے ریختہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ریختہ کی کئی ایک تشریحات موجود ہیں۔ مثلاً ریختہ وہ زبان ہے جو اپنی اصلیت سے گر جائے۔ آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں کہ ریختہ کے معنی گری پڑی پریشان چیز کے ہیں چونکہ اردو میں الفاظ پریشان جمع ہیں اس لئے اسے ریختہ کہا گیا ہے۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ ریختہ کے معنی چونہ سفیدی وغیرہ کے ہیں جو دیوار کو پختہ کرتا ہے۔ اس لئے بھی شاید اس زبان کا نام ریختہ ہوا۔

لیکن سب سے زیادہ معقول تعریف وہ ہے جو پروفیسر شیرانی نے کی ہے۔ ریختہ بمعنی ایجاد کرنا کسی چیز کو قالب میں ڈھالنا اور موزوں کرنا کے آتا ہے۔ آٹھویں صدی میں امیر خسرو نے ایرانی اور ہندوستانی موسیقی کے امتزاج سے نئے سر نکالے جن میں سے ایک کا نام ریختہ رکھا۔ آہستہ آہستہ یہ لفظ موسیقی کے مفہوم سے نکل کر زبان اور پھر زبان کی اصطلاح عام بن گیا۔ خود امیر خسرو کے زمانہ ہی میں کلام ریختہ اس نظم کو کہتے تھے۔ جس میں فارسی اور ہندوستانی الفاظ کی آمیزش ہو۔ اس مفہوم میں ریختہ کے لفظ استعمال پچھلی صدی تک ہوتا چلا آیا ہے......... یعنی وہ شاعرانہ زبان جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی آمیزش سے ترتیب پا کر پھیل رہی تھی۔ بعض موقعوں پر اس کا اطلاق نثر پر بھی ہوا ہے۔ ریختہ کے علاوہ اردو کا ایک نام دہلوی بھی ہے۔ بالکل اسی طرح اہل دکن اسے دکنی گجرات کے رہنے والے اسے گجراتی کہتے رہے۔ یہ نام دہلی سے نکلے ہوئے سپاہیوں کے ساتھ دور دور پہنچا۔ گجرات کے ایک صوفی شیخ باجن گجراتی نے ایک نظم لکھی ہے جس کا نام ''صفت دنیا بزبان دہلوی'' ہے جو اردو کا پرانا نمونہ ہے۔ یورپ کے حملہ آور اور سیاح اسے (Language of Indians) اور پھر ہندوستانی بھی کہتے رہے جو اٹھارہویں اور بالخصوص انیسویں صدی میں بہت عام رہا۔

طاعون کی بیماری

اس کا Incubation Period یعنی وہ وقفہ جس میں بیماری کے جراثیم جسم میں داخل ہونے سے لے کر بیماری کی ابتدائی علامات ظاہر ہونے تک کا درمیانی وقفہ تین سے چار دن ہے۔

طاعون کی بیماری چوہوں کی وجہ سے پھیلتی ہے۔ طاعون کی تین قسمیں ہیں۔ جس میں سے ایک گلٹی والا طاعون ہے جو عام قسم ہے اور جس کے متعلق کچھ میں آپ کو بتاؤں گی اس طاعون کی تین حالتیں یا Stages ہیں۔

1۔ گلٹی نمودار ہونے کی اسٹیج

2۔ بخار کی اسٹیج

3۔ بہتری کی حالت

گلٹی نمودار ہونے کی اسٹیج

اس میں بدن میں درد ہوتا ہے ذہنی انتشار اور دباؤ ہوتا ہے۔ گلٹی دوسرے تیسرے دن نمودار ہوتی ہے خاص طور پر ران کے جوڑ کے پاس یا کبھی بغل میں یا کبھی کبھار ٹھوڑی کے نیچے نمودار ہوتی ہے۔ ایک ہی گلٹی ہوتی ہے جس کی ساخت مختلف لوگوں میں اور مختلف جگہوں پر مختلف ہوتی ہے۔ نرم سپنج کی طرح اور گیلی ہوتی ہے۔ سخت درد کرتی ہے۔

بخار کی اسٹیج

اچانک ہی بہت تیز بخار ہو جاتا ہے اور یہ بخار ایک ہی جتنا تیز دو سے پانچ دن تک رہتا ہے۔ پھر اچانک ہی اتر جاتا ہے۔ یا کبھی کبھار تین چار دن میں اترتا ہے۔ گلٹی نمودار ہونے بخار میں زیادتی اور تکلیف میں زیادتی ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ اور اگر ان گلٹیوں میں (Puss) پیپ پڑ جائے تو بخار اور تیز ہو جاتا ہے۔ آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ آواز بیٹھ جاتی ہے اور آواز میں لڑکھڑاہٹ آجاتی ہے۔ انتہائی کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ انسان بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ اور چشم تصور سے عجیب و غریب نظارے دیکھتا ہے۔ قے آتی ہے۔ پیشاب کم آتا ہے۔ اور انسان بے ہوش ہو جاتا ہے یا تشنج جیسے دورے پڑنے لگتے ہیں۔ نبض بہت کمزور اور سست چلتی ہے۔ دل جگر تلی فوری طور پر پھیل جاتے ہیں اور تیسرے یا پانچویں دن موت واقع ہوسکتی ہے۔

بہتری کی حالت

دسویں دن تک بخار اتر جاتا ہے بہت پسینہ آتا ہے۔ گلٹی بڑی ہوتے ہوتے پھٹ جاتی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گلٹی میں (Puss) پیپ نہ پڑے۔

خصوصی علاج Anti Plague۔ سیرم (Serum) 40 سی سی پہلے دن اور پھر 20 سی سی روزانہ جب تک بخار اتر جائے 1/2 گرام Streptomycin یا پھر کوئی Antilbiotic دی جاسکتی ہے۔ گلٹی پر Belladona Glyeesslins لگائیں۔ یا مقامی طور پر Tr.Iodine سے پینٹ کر دیں اگر گلٹی پھٹ جائے تو Dressing کریں کسی اچھی اینٹی بائیوٹک کریم سے۔ عام تکالیف کا علاج پانی پٹی اور ٹھنڈے مشروب وغیرہ سے کریں غذا میں پتلی خوراک دلیہ ساگودانہ وغیرہ دیں اور بخار اور درد کم کرنے کی گولیاں دیں۔

پرہیز کے طور پر ویکسین لگائی جاتی ہے لیکن حضرت مسیح موعود نے یہ ٹیکہ اپنی جماعت کے لوگوں کو نہ لگوانے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اور ان کا دعویٰ تھا کہ ان کے گھر۔ خاندان اور پیروکاروں کو طاعون نہیں ہوسکتا۔ اور یہ خدائی نشان آج بھی دنیائے سائنس کے لئے ایک چیلنج بن کر دنیا میں موجود ہے۔

اطلاعات و اعلانات

نوٹ: اعلانات صدر/امیر صاحب حلقہ کی تصدیق کے ساتھ آنا ضروری ہیں۔

مکرم چوہدری احمد خان صاحب باجوہ کی وفات

❁ مکرم محمد زبیر باجوہ صاحب کارکن روزنامہ الفضل تحریر کرتے ہیں۔

میرے والد محترم چوہدری احمد خان صاحب باجوہ سابق معلم وقف جدید مورخہ 11/اکتوبر 2009ء کو فضل عمر ہسپتال ربوہ میں بعمر 100 سال بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم خدا کے فضل سے موصی تھے۔ مرحوم کی نماز جنازہ مورخہ 12/اکتوبر 2009ء کو بیت اقبال دارالنصر غربی حلقہ اقبال میں محترم یوسف سلیم ملک صاحب مربی سلسلہ صدر محلّہ نے پڑھائی اور بہشتی مقبرہ میں تدفین کے بعد دعا محترم سید طاہر محمود ماجد صاحب نائب ناظر مال آمد نے کروائی۔ مرحوم نے لواحقین میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے خاکسار، مکرم حسن پرویز باجوہ صاحب آف ہیوسٹن امریکہ اور 4 بیٹیاں مکرمہ بدر الماس صاحبہ اہلیہ مکرم چوہدری نصیر احمد صاحب ایڈووکیٹ مرحوم آف کھاریاں، مکرمہ فخر الماس صاحبہ ربوہ، مکرمہ قرۃ العین صاحبہ اہلیہ مکرم محمد رحمٰن صاحب امریکہ، مکرمہ فوزیہ العظیم صاحبہ اہلیہ مکرم ڈاکٹر مبشر احمد صاحب آف کھاریاں یادگار چھوڑی ہیں۔ احباب جماعت سے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان صبر جمیل عطا فرمائے آمین

کامیابی

❁ مکرم ڈاکٹر کیپٹن محمد داؤد احمد صاحب فرید ٹاؤن ساہیوال تحریر کرتے ہیں۔

خاکسار کی چھوٹی بیٹی سائرہ احمد نے امسال ایف۔ایس۔سی پری میڈیکل سالانہ امتحان منعقدہ 2009ء ملتان بورڈ سے 980/1100 نمبر حاصل کئے ہیں۔ احباب جماعت سے مزید کامیابیوں کیلئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

درخواست دعا

❁ مکرم مبارک احمد طاہر صاحب صدر محلّہ دارالبرکات ربوہ تحریر کرتے ہیں۔

مکرم محمد صادق پرویز صاحب ولد مکرم ڈاکٹر شیر محمد عالی صاحب مرحوم دارالبرکات ربوہ کی آنکھ کا آپریشن مورخہ 17/اکتوبر 2009ء کو متوقع ہے۔ احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آپریشن کو کامیاب فرمائے، ہر قسم کی پیچیدگی سے محفوظ رکھے اور شفائے کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔ آمین

❁ مکرم کریم اللہ صاحب کارکن گیسٹ ہاؤس راولپنڈی تحریر کرتے ہیں۔

میرے بھائی مکرم رحیم اللہ صاحب دارالصدر شمالی ہدیٰ کی آنکھ کا آپریشن رحمت میموریل ہسپتال لاہور میں متوقع ہے۔ احباب جماعت سے مکمل شفایابی اور بعد کی پیچیدگیوں سے محفوظ رہنے کیلئے درخواست دعا ہے۔

سالانہ کنونشن IAAAE

❁ انٹرنیشنل ایسوسی ایشن آف احمدی آرکیٹیکٹس اینڈ انجینئرز (IAAAE) کا 28واں سالانہ کنونشن مورخہ 21 اور 22 نومبر 2009ء کو ایوان ناصر دفاتر مجلس انصاراللہ پاکستان ربوہ میں منعقد ہوگا۔ تمام خواہشمند احباب و خواتین، احمدی انجینئرز، ڈپلومہ انجینئرز، آرکیٹیکٹس اور طلباء و طالبات کو شرکت کی بھرپور دعوت ہے۔ نیز تمام ایسے احباب جنہوں نے ابھی ایسوسی ایشن کی ممبرشپ حاصل نہیں کی وہ مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کر کے رکنیت حاصل کرلیں۔

نوٹ: اس کنونشن میں انڈسٹریل نمائش کا بھی اہتمام کیا جا رہا ہے۔ خواہشمند احمدی مینوفیکچرر، انڈسٹریلسٹ اور کاروباری حضرات بھی اس سلسلہ میں رابطہ فرمائیں۔

❁ مکرم شیخ حارث احمد صاحب
0333-6713202
haris@iaaae.com

❁ مکرم انجینئر جہانگیر شفیع صاحب (کنوینر)
0321-8497454
jehangir.ahmad@wateen.com

❁ مکرم انجینئر وسیم احمد خلیل صاحب۔ لاہور
0300-4399113
power@brain.net.pk

❁ مکرم انجینئر امجد احمد صاحب۔ کراچی
0302-8245858
amjad1957@yahoo.com

❁ مکرم انجینئر سید محمود احمد صاحب۔ اسلام آباد
0300-8555249
mahmood_ahmadsyed@hotmail.com

❁ مکرم انجینئر طارق محمود صاحب۔ فیصل آباد
0333-9944735

❁ مکرم انجینئر عبدالودود صاحب۔ پشاور
0300-5933067
awadoodk@psh.paknet.com.pk

❁ مکرم انجینئر منور احمد شاہد صاحب۔ واہ کینٹ/ٹیکسلا
051-4532624

❁ مکرم ڈپلومہ انجینئر راجہ ناصر احمد صاحب۔ سرگودھا
0321-7251360

❁ مکرم ڈپلومہ انجینئر میاں نذیر احمد صاحب۔ ملتان
0300-8636386

❁ مکرم انجینئر حامد محمود چیمہ صاحب۔ گوجرانوالہ
0345-6528997

❁ مکرم انجینئر اعجاز منہاس صاحب۔ راولپنڈی
0300-9555663
iq64minhas@gmail.com

❁ مکرم ڈپلومہ انجینئر مقصود احمد صاحب۔ کوئٹہ
0301-3703595

❁ مکرم ڈپلومہ انجینئر چوہدری نسیم احمد صاحب۔ حیدرآباد
022-3812675

❁ مکرم انجینئر نعیم احمد طارق صاحب۔ کوٹ ادو
0300-8736606
naeem.tariq@kapco.com.pk

❁ مکرم انجینئر نواز سیال صاحب۔ جہلم
0333-5527958

❁ مکرم ڈپلومہ انجینئر آطف محمود صاحب۔ ساہیوال
0301-4128056
atifmahmood2k@hotmail.com

❁ مکرم ڈپلومہ انجینئر محمد انعام صاحب۔ منڈی بہاؤالدین
054-650804-305

(صدر IAAAE)

ریکٹر سکیل کیا ہے

زلزلے کی شدت کی اکائی کے لئے 1935ء میں امریکن سائنسدان مولوجسٹ چارلس ریکٹر (Charles Richter) نے ایک پیمانہ تیار کیا جسے آج ہم انہی کے نام کی مناسبت سے ریکٹر سکیل کے نام سے پکارتے ہیں۔ ریکٹر کو کیلیفورنیا میں زلزلوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا پیمانہ ہونا چاہئے جس سے زلزلے کی پیمائش کی جا سکے کیوں کہ تمام زلزلے ایک ہی طرح کے نہیں ہوتے۔ کچھ کی شدت کم اور کچھ کی زیادہ ہوتی ہے۔

آج ریکٹر سکیل زلزلوں کی پیمائش کے لئے معیاری پیمانے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ لوگرتھمک سکیل (Logarithmic Scale) ہے یعنی سکیل میں دیئے گئے نمبروں کی پیمائش 10 کے فیکٹر سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک زلزلہ جس کی شدت ریکٹر سکیل پر 4.0 ہو گی وہ اسی سکیل پر 3.0 کی پیمائش والے زلزلے سے دس گنا بڑا ہوگا۔ ریکٹر سکیل پر 2.0 سے کم کی شدت والے زلزلوں کو انسان محسوس نہیں کرتا اور انہیں مائیکروکوئیک (Microquake) کہتے ہیں۔ 6.0 سے نیچے کی شدت کے زلزلے درمیانے درجے میں شمار ہوتے ہیں جبکہ اس سے اوپر کی شدت کے زلزلے کافی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ آج تک زلزلے کی زیادہ سے زیادہ شدت 8.9 تک ریکارڈ کی گئی ہے۔

ریکٹر نے اپنے سکیل کے لئے اس سکیل کو بنیاد بنایا جسے فلکیات دان ستاروں کی روشنی کی پیمائش کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ایک ستارے کی چمک کی بنیاد اس کی چمک کے دوربینی مشاہدات پر استوار ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ چمک کا فرق 10 کے کئی فیکٹرز سے بھی زیادہ ہوتا ہے، جیسے یہ کہنا کہ الفا سینٹوری سے پچاس ہزار گنا زیادہ روشن، اس لئے فلکیات دان ستاروں کی روشنی کی شدت کو کیلکولیٹ کرنے کے لئے لوگرتھم استعمال کرتے ہیں کیوں کہ سنگل ڈیجٹ کے نمبر کو یاد رکھنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔

ریکٹر نے زمین کی تھرتھراہٹ کی مقدار ماپنے کے لئے، وہی طریقہ اختیار کیا جو کہ روشن اجسام کی چمک کو ماپنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ غور کریں تو دونوں ہی صورتوں میں قوت کو محسوس کرنا ایک تجریدی عمل ہے۔ ستاروں کی صورت میں ان کے طبعی حجم کی پیمائش نہیں کی جاتی بلکہ ان سے خارج ہونے والی روشنی کی شدت کی پیمائش ہوتی ہے۔ اسی طرح زلزلے کی شدت سے بھی فالٹ کے طبعی سائز کی پیمائش نہیں ہوتی بلکہ اس سے جو تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے اس کی شدت ناپی جاتی ہے۔

ریکٹر سکیل کے رائج ہونے میں اس کی کئی اہم خصوصیات کا دخل ہے۔ مثلاً اس میں شدت کی پیمائش سنگل ڈیجٹ کے ساتھ کی جاتی ہے جسے یاد رکھنا آسان ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بھی بیان کر چکے ہیں کہ 3 سے کم شدت کے زلزلے محسوس نہیں ہوتے، 6 کی شدت کے زلزلے اوسط درجے میں شمار ہوتے ہیں جب کہ 9 کی شدت سے آنے والے زلزلے بہت بھیانک ہوتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک زلزلہ گزشتہ دسمبر میں بحر ہند کے سونامی کا سبب بنا۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ زلزلے کی شدت کی پیمائش سائزمومیٹر کے ساتھ بڑی آسانی سے کی جاسکتی ہے اور اس کے لئے فالٹ کے قریب ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ آج کے جدید سائزمومیٹر ایک ہی جگہ رہتے ہوئے دنیا میں کسی بھی جگہ 5 یا اس سے زیادہ شدت سے آنے والے زلزلے کو ریکارڈ کر سکتے ہیں۔

دورہ نمائندہ مینیجر روزنامہ الفضل

❁ مکرم نعیم احمد صاحب اٹھوال نمائندہ مینیجر روزنامہ الفضل آجکل توسیع اشاعت الفضل، وصولی واجبات اور اشتہارات کے حصول کیلئے ضلع شیخوپورہ کے دورہ پر ہیں۔ احباب جماعت و اراکین عاملہ، مربیان کرام، صدران جماعت سے تعاون کی بھرپور درخواست ہے۔ (مینیجر روزنامہ الفضل)

(بقیہ از صفحہ 1)

کے علاوہ دو بیٹے مکرم ظہیر احمد صاحب اور مکرم منیر احمد صاحب کینیڈا اور دو بیٹیاں مکرمہ امۃ القدوس صاحبہ زوجہ مکرم تنویر احمد صاحب کوئٹہ اور مکرمہ مبارکہ احمد صاحبہ چھوڑی ہیں۔

مورخہ 9/ اکتوبر 2009ء کو ہی بعد نماز جمعہ مرحوم کی نماز جنازہ بیت الذکر اٹک شہر میں مکرم وسیم احمد چیمہ صاحب مربی سلسلہ ضلع اسلام آباد نے پڑھائی۔ بعد ازاں میت ربوہ لائی گئی۔ مورخہ 11/ اکتوبر کو بعد نماز عصر بیت المبارک میں مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ بوجہ موصی ہونے کے بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ اور تدفین کے موقع پر مرحوم کے دونوں بیٹے کینیڈا سے ربوہ پہنچ گئے تھے۔ تدفین کے بعد مکرم ملک خالد مسعود صاحب صدر مجلس کارپرداز نے دعا کروائی۔

احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور مرحوم کے پسماندگان اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ربوہ اور گردونواح میں سکنی، زرعی، کمرشل جائیداد کی خرید و فروخت کا با اعتماد ادارہ
ربوہ پراپرٹی سنٹر
کالج روڈ بالمقابل جامعہ احمدیہ ربوہ
فون آفس: 047-6213550
پروپرائٹر: چوہدری عامر گوپے راہ موبائل: 0333-9797450

KOHISTAN STEEL
DEALERS OF PAKISTAN STEEL MILLS CORPORATION LTD AND IMPORTERS
219 Loha Market Landa Bazar Lahore
Tel:+92-42-7630066,7379300
Mob:0300-8472141
Talib-e-Dua:Mian Mubarik Ali

الفضل روم کولر
جستی کولر، گیزر، گیس اوون، واٹر کولر آرڈر پر تیار کئے جاتے ہیں۔
ہر کمپنی کا AC خریدیں اور ہمارے منظور شدہ ڈیلر سے فٹ کروائیں۔ گیس اوون، AC سروس اور مرمت کا کام کیا جاتا ہے۔ AC کے لئے سٹیبلائزرز بھی دستیاب ہیں۔ ہر قسم کا واٹر پمپ اور بورنگ کا کام بھی کیا جاتا ہے۔
نوٹ: کولر، گیزر، گیس اوون۔ ہر قسم کا AC پرانا نئے کے ساتھ تبدیل کروائیں۔ نیز ہر قسم کی موٹر وائنڈ کروائیں۔
فیکٹری: 1-B-16-265 کالج روڈ نزد اکبر چوک ٹاؤن شپ لاہور موبائل: 0300-4026760
فون نمبر: 042-5114822,5118096

ربوہ میں طلوع وغروب 14۔ اکتوبر	
طلوع فجر	5:44
طلوع آفتاب	7:08
زوال آفتاب	12:54
غروب آفتاب	6:40

شادی کارڈ پر بے جا خرچ نہ کریں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"شادی کارڈوں پر بھی بے انتہا خرچ کیا جاتا ہے۔ دعوت نامہ تو پاکستان میں ایک روپے میں بھی چھپ جاتا ہے۔ یہاں بھی بالکل معمولی سا پانچ سات پینس (Pens) میں چھپ جاتا ہے۔ تو دعوت نامہ ہی بھیجنا ہے کوئی نمائش تو نہیں کرنی۔ لیکن بلاوجہ مہنگے مہنگے کارڈ چھپوائے جاتے ہیں۔ پوچھو تو کہتے ہیں کہ بڑا سستا چھپا ہے۔ صرف پچاس روپے میں۔ اب یہ صرف پچاس روپے جو ہیں اگر کارڈ پانچ سو کی تعداد میں چھپوائے گئے ہیں تو یہ پاکستان میں پچیس ہزار روپے بنتے ہیں اور پچیس ہزار روپے اگر کسی غریب کو شادی کے موقع پر ملیں تو وہ خوشی اور شکرانے کے جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔"

(خطبات مسرور جلد سوم صفحہ نمبر 334)

(مرسلہ: ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ بسلسلہ تعمیل فیصلہ جات شوریٰ 2009ء)

کمرشل پلاٹ برائے فروخت
گول چوک محلہ دارالعلوم وسطی ربوہ میں واقع ایک کمرشل اور کارنر پلاٹ، برقبہ 10 مرلہ 56 فٹ، دو اطراف پختہ سڑکیں، فروخت کرنا مقصود ہے۔
کاروباری حضرات کیلئے سنہری موقع
فون برائے رابطہ: 03336716598
0333-6539421

FD-10